فکر و نظر--- اسلام آباد　　جلد:۴۰　　شمارہ:۳

قرائن میں قیافہ شناسی کی شرعی حیثیت

☆ حافظ مبشر حسین لاہوری

دین اسلام نے مقدمات میں قرائن کو بڑی اہمیت دی ہے اور بالخصوص جب کسی قضیہ میں گواہ اور عینی شہادتیں مفقود ہوں تو وہاں قرائن و علائق اور آثار و علامات ہی کی بنیاد پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ قرائن، قرینہ کی جمع ہے جبکہ قرینہ کی تعریف یہ ہے کہ "**العلامة الدالة علی شیء مطلوب**"(۱) (کسی مطلوبہ چیز پر دلالت کرنے والی علامت کو قرینہ کہا جاتا ہے)۔

امام زرقانی رقم طراز ہیں کہ "**کل امارة ظاهرة تقارن شيئا خفيا و تدل عليه**"(۲) (یعنی ہر وہ ظاہری علامت جو کسی مخفی چیز کو نکھارے اور اسی پر دلالت کرے، قرینہ کہلاتی ہے)۔

یاد رہے کہ فقہائے کرام اور محدثین و مفسرین عظام نے قرآن و سنت اور عمل صحابہ کی روشنی میں آثار و قرائن اور علامات و امارات کو مشروع قرار دیا ہے(۳)۔ علامہ صالح بن غانم فرماتے ہیں کہ بعض قرائن قطعی ہوتے ہیں جبکہ بعض قرائن غیر قطعی یا ظنی ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض قرائن شرعی قرائن کہلاتے ہیں کیونکہ شریعت نے انہیں معتبر قرار دیا ہوتا ہے جبکہ بعض قرائن کو ''قانونی قرائن'' سے موسوم کیا جاتا ہے(۴)۔ بعض مخفی قرائن ایسے ہوتے ہیں جنہیں واضح کرنا صاحب فہم و فراست اور ماہر قیافہ دان ہی کا کام ہے۔ ذیل میں قیافہ کی تعریف و اقسام، معتبر و غیر معتبر صورتوں اور ان کی شرعی حیثیت پر بحث کی جائے گی۔

قیافہ، قوف (ق-و-ف) سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے کھوج لگانا، تلاش کرنا، ڈھونڈنا، نشانات دیکھنا اور پیچھا کرنا۔ ان اوصاف و علامات کے حامل شخص کو عربی میں قائف اور اُردو میں قیافہ دان یا قیافہ شناس کہا جاتا ہے(۵)۔

بعض کتب لغات میں قیافہ کی اصطلاحی تعریف اس طرح مذکور ہے کہ ''ایک علم جس میں خدوخال سے بھلا برا پہچان لیتے ہیں''(۶) لیکن قیافہ کی یہ تعریف محل نظر ہے اس لئے کہ یہ تعریف

☆ ریسرچ اسکالر آف اسلامک ریسرچ کونسل، اسسٹنٹ ایڈیٹر ماہنامہ ''محدث'' ماڈل ٹاؤن، لاہور

''علم الفراسہ'' (فراست) کی ہے علم القیافہ کی نہیں۔ جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے واضح ہو جائے گا۔

حاجی خلیفہ ''طاش کبری زائدہ''، نواب صدیق بن حسن قنوجیؒ وغیرہ نے قیافہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں یعنی ''قیافۃ البشر'' اور ''قیافۃ الاثر'' جبکہ مؤخر الذکر قسم کو ''علم عیافہ'' سے بھی موسوم کیا جاتا ہے(۷)۔

علم القیافۃ یا قیافۃ البشر

نواب صدیق بن حسن قنوجیؒ اس علم کی اصطلاحی تعریف میں رقمطراز ہیں: "**وهو علم باحث عن كيفية الاستدلال بهيئات اعضاء الشخصين على المشاركة والاتحاد بينهما فى النسب والولادة**"(۸) (یہ ایسا علم ہے جس میں دو شخصوں کے اعضاء و جوارح کی باہمی مشارکت و مماثلت کی بنیاد پر نسب ولادت پر استدلال کیا جاتا ہے)۔

حاجی خلیفہ فرماتے ہیں کہ "**وانماسمى به اى قيافة البشر لان صاحبه يتبع بشرة الانسان وجلده واعضائه واقدامه وهذا العلم لايحصل بالدراسته والتعليم ولهذا لم يصنف فيه**". (اسے قیافۃ البشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس علم کا ماہر انسان کے جلد و چمڑے، اعضاء و جوارح اور قدموں کا جائزہ لیتا ہے اور یہ علم درس و تدریس سے حاصل نہیں ہوتا (بلکہ خداداد عطیہ ہے اس لئے اس علم میں کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں''۔

طاش کبریٰ زائدہ فرماتے ہیں کہ: "**ومبنى هذا العلم ماثبت فى المباحث الطبية من وجود المناسبة والمشابهة بين الولد و والديه و تكون تلك المناسبة فى الامور الظاهرة بحيث يدر كها كل واحد وقد تكون فى امور خفية لا يدركها الا ارباب الكمال و تدرك هذه المشابهة بمعونة القوة الباصرة والقوة الحافظة ولهذا اختلف احوال الناس فى هذا العلم كمالا وضعفا الى حيث لا يشتبه عليه شيء اصلا بسبب كماله فى القوتين وهذا العلم موجود فى قبائل العرب ويندر فى غيرهم**"(۱۰). (طبی مباحث میں یہ بات ثابت ہے کہ علم قیافہ کی بنیاد بچے اور اس کے والدین کے مابین مشابہت و مماثلت تلاش کرنے پر ہے۔ کبھی کبھار تو یہ مشابہت اتنی واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص اسے پہچان لیتا ہے اور بسا اوقات یہ ایسی مخفی ہوتی ہے کہ اسے صرف ماہر لوگ ہی پہچان سکتے ہیں۔ قوت باصرہ اور قوت حافظہ کی مدد سے اس مشابہت کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس علم میں لوگوں کی مہارت میں تفاوت پایا جاتا ہے یعنی جس کی یہ قوتیں قوی ہوں گی وہ زیادہ ماہر اور جس کی یہ قوتیں ضعیف ہوں گی وہ نسبتاً کم ماہر ہوگا اور جس کی یہ دونوں قوتیں (باصرہ و حافظہ) کمال

درجہ کی ہوں اس کے لئے کسی چیز کی پہچان میں شبہ نہیں ہوگا۔ یہ علم عرب قبائل میں پایا جاتا ہے اور غیر عربوں میں اس کا وجود نادر ہے)۔

علم العیافۃ یا قیافۃ الاثر

یہ اس علم کی دوسری قسم ہے جسے ان دونوں ناموں سے متعین کیا جاتا ہے۔ صاحب مفتاح اس کی تعریف میں رقمطراز ہیں کہ **"علم قیافة الاثر و یسمی علم العیافة و هو علم باحث عن تتبع آثار الاقدام والاخفاف والحوافر فی الطرق القابلة للاثر وهی التی تکون تربة حرة تتشکل بشکل القدم و نفع هذا العلم بین اذالقائف یجد بهذا العلم الهراب من الناس والضوال من الحیوان بتتبع اثارها و قوامها بقوة الباصرة و قوة الخیال والحافظة حتی سمعت بعض من اعتنی بهذا العلم انهم یفرقون بین اثر قدم الرجل واثر قدم المرأة و بین اثر قدم الشیخ والشاب والله اعلم باالصواب"**[۱۱]. (علم قیافۃ الاثر جسے علم العیافۃ بھی کہا جاتا ہے، یہ ایسا علم ہے جس میں انسانوں اور جانوروں کے قدموں کے نشانات کا کھوج لگایا جاتا ہے بشرطیکہ وہ ایسی جگہ پر ہوں جہاں ان کے قدموں کی شکل زمین پر ثبت ہوسکتی ہو۔ اس علم کا فائدہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کے ذریعہ قیافہ دان بھاگنے والے لوگوں اور گمشدہ جانوروں کے پاؤں کے نشانات اور اثرات کو اپنی قوت باصرہ و حافظہ کے ذریعہ پہچانتے ہوئے ان کا سراغ لگا لیتا ہے۔ حتیٰ کہ میں نے اس علم کی واقفیت رکھنے والے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ وہ آدمی، عورت، بوڑھے اور جوان شخص کے قدموں کے نشانات میں فرق کر کے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ ان میں سے کس کے پاؤں کا نشان ہے)۔ واللہ اعلم باالصواب۔

نواب صدیق خان قنوجیؒ سے بھی یہی چیز منقول ہے البتہ انہوں نے المصباح اور القاموس کے حوالے سے عیافہ کی ایک اور تعریف ذکر کی ہے: **"ان العیافة هی زجر الطیر"**[۱۲] (شگون لینے کے لئے پرندوں کو اڑانا ''عیافہ'' کہلاتا ہے)۔

اسی طرح ابن اثیر اور ابن منظور نے بھی عیافہ کی یہ مؤخرالذکر تعریف پیش کی ہے کہ **"العیافة--- زجر الطیر والتفائول باسمائها واصواتها و ممرها وهو من عادة العرب کثیرا"**[۱۳] (عیافہ یہ ہے کہ شگون لینے کے لئے پرندوں کو اڑانا اور ان کے ناموں، آوازوں، اور گزرنے سے فال لینا اور یہ اکثر اہلِ عرب کی عادت تھی)۔

علاوہ ازیں بعض احادیث میں بھی عیافہ کی یہی مؤخرالذکر تعریف ملتی ہے مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ **"العیافة والطیرة والطرق من الجبت"**[۱۴] (پرندوں کو اڑانا اور خط

وغیرہ کھینچ کر شگون لینا شرکیہ کام ہے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''عیافہ'' کی بھی دو قسمیں یا دو الگ الگ تعریفیں ہیں۔ جن میں سے ایک کا تعلق فال اور بدشگونی سے جبکہ دوسری کا تعلق قیافہ سے ہے اور ہم یہاں قیافہ ہی کو مدِنظر رکھیں گے۔

قائف

ابن اثیر قائف کی تعریف میں رقمطراز ہیں کہ **"الذی یتتبع الاثار وبعرفها و یعرف شبه الرجل باخیه وابیه"**[۱۵] (قائف وہ ہے جو نشانات تلاش کرتا ہے اور آدمی کی اس کے باپ اور بھائی سے مشابہت کی پہچان کرتا ہے)۔

امام جرجانی فرماتے ہیں کہ **"القائف هوالذی یعرف النسب بفراسته ونظره الی اعضاء المولود"**[۱۶] (قائف وہ شخص ہے جو اپنی فراست اور نومولود کے اعضاء کا جائزہ لیتے ہوئے نسب کو پہچانتا ہے)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ **"القائف هوالذی یعرف الشبه ویمیز الاثر سمی بذلک لانه یقفوا لاشیاء ای یتبعها"**[۱۷] (قائف وہ شخص ہے جو مشابہت و مماثلت کو پہچانتا ہے اور نشانات کو نمایاں کرتا ہے اور اسے قائف اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ چیزوں کا خوب کھوج لگاتا ہے)۔

گزشتہ تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ قیافہ کی دو قسمیں ہیں یعنی قیافۃ البشر اور قیافۃ الاثر۔

۲۔ قیافۃ البشر میں ظاہری مشابہت اور جسمانی خدوخال کی مناسبت سے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ کس شخص کا ہے۔ (ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی بچے کا نسب مشکوک ہو جائے یا کسی بچے پر ایک سے زیادہ شخص باپ ہونے یا پھر اس کے برعکس باپ نہ ہونے کا دعویٰ کریں جبکہ یہ بات بھی قطعی ہو کہ بچہ انہی میں سے کسی ایک کا ہے۔ ایسے مشتبہ معاملہ میں ''قیافۃ البشر'' کا ماہر فیصلہ کرتا ہے)۔

۳۔ قیافۃ الاثر میں گمشدہ جانوروں یا مجرموں کے پاؤں کے نشانات یا جائے حادثہ کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف آثار و نشانات کی مدد سے مطلوب تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔

۴۔ قیافۃ الاثر کو ''عیافہ'' بھی کہا جاتا ہے جبکہ عیافہ اس کے علاوہ دوسری تعریف کے مطابق بدشگونی کے مترادف ہے۔

۵۔ ''قیافۃ البشر'' کا تعلق اثبات نسب سے ہے جبکہ قیافۃ الاثر کا تعلق اثبات جرم یا اثبات دعویٰ سے ہے۔

۶۔ ''قیافۃ البشر'' کے ماہر (قیافہ شناس) کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قیافۃ الاثر کا بھی ماہر ہو اور اسی طرح قیافۃ الاثر کے ماہر (کھوجی) کے لئے بھی ضروری نہیں کہ وہ قیافۃ البشر کی بھی واقفیت رکھتا ہو۔

۷۔ بالعموم قیافہ شناسی سے قیافۃ البشر کا ماہر مراد ہوتا ہے۔

۸۔ قیافۃ الاثر کے ماہر کو عموماً کھوجی (Investigator) کہا جاتا ہے۔

۹۔ قیافۃ البشر تعلیم و تعلم کی بجائے خداداد صلاحیت پر موقوف ہوتا ہے۔

۱۰۔ قیافۃ الاثر قدرے تعلیم و تعلم پر اور فہم و فراست پر موقوف ہے۔

اسی طرح فوج اور پولیس میں اس کے منظم شعبے موجود ہوتے ہیں۔

قیافہ شناسی کی شرعی حیثیت

شرعی نکتہ نظر سے اگر جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیافہ شناسی جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں ناگزیر صورت اختیار کر جاتی ہے اور بالعموم قاضیوں (ججوں) کو اس سے ضرور واسطہ پڑتا ہے، گو وہ خود قیافہ شناسی میں ماہر نہ ہوں لیکن کسی مشتبہ معاملہ میں جہاں قیافہ شناسی ہی صورت حال کو واضح کر سکتی ہو وہاں کسی ماہر قیافہ شناس سے مدد لینا بہرحال مشروع ہے۔ فقہاء نے اس سلسلہ میں اس طرح کی مثالیں ذکر کی ہیں کہ کسی معتدہ سے کوئی شخص شادی کرے جبکہ اسے اس سے پہلے یا بعد میں حیض نہ آئے تو اب اس سے پیدا ہونے والا بچہ پہلے خاوند کی طرف منسوب ہوگا یا دوسرے کی طرف؟ یا کہیں سے گمشدہ بچہ ملے اور دو آدمی اس پر مدعی ہوں جبکہ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی اپنے حق میں کوئی دلیل نہ ہو یا دونوں کے پاس برابر کے دلائل ہوں تو ایسی صورت میں کس مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا؟

مذکورہ صورتیں اثبات نسب سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اسی طرح کی بعض پیچیدہ صورتیں دیگر دیوانی اور فوجداری جرائم میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایسی تمام صورتوں میں ماہر قیافہ شناس کی بات اور فیصلہ قابل اعتبار ہوگا۔ اگرچہ فقہائے احناف (حنفیہ) اثبات نسب میں قیافہ شناس کے قول کو حجت تسلیم نہیں

کرتے کیونکہ مذکورہ صورت میں قیافہ شناسی کا فیصلہ ''شبہ'' کی بنیاد پر ہوتا ہے[۱۸]۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ، جمہور فقہاء و محدثین ان صورتوں میں بھی قائف (قیافہ دان) کے قول کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ ان صورتوں میں کوئی معارض یا مانع نہ ہو۔

یاد رہے کہ فقہاء کا مذکورہ اختلاف ''قیافۃ البشر'' سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ قیافۃ البشر کا دائرہ کار اثبات نسب سے ہے اور یہاں اثبات نسب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ البتہ ''قیافۃ الاثر'' کے معتبر و مشروع ہونے میں فقہاء میں اختلاف نہیں پایا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ مجرموں تک رسائی پانے اور ان کا سراغ لگانے کے لئے کھوجی آدمیوں، کھوجی کتوں، کھوجی مشینوں (جدید آلات) اور ذہین وفطین لوگوں کی فہم و فراست اور گہری بصیرت سے استفادے کو جائز ہی نہیں بلکہ فرض کفایہ بھی کہا گیا ہے۔ بہرصورت عملی طور پر اس کے جواز میں فقہاء کا اختلاف نہیں (جیسا کہ آئندہ تفصیلی دلائل سے معلوم ہوگا)۔

ذیل میں ہم اس بحث کو تین حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں یعنی:

۱۔ اثبات نسب میں قیافۃ البشر کی شرعی حیثیت

۲۔ فوجداری جرائم میں قیافۃ الاثر کی شرعی حیثیت

۳۔ دیوانی مقدمات میں قیافۃ الاثر کی شرعی حیثیت

اثبات نسب میں قیافۃ البشر کی شرعی حیثیت

پہلی دلیل:

''عن عائشۃؓ قالت: دخل علیّ رسول اللّٰہؐ ذات یوم وھو مسرور فقال یا عائشۃؓ! الم تریٰ ان مجزز المدلجی دخل علی فرأی اسامۃ وزیدا و علیھا قطیفۃ قدغطیا رؤسھما وبدت اقدامھما فقال: ان ھذہ الاقدام بعضھا من بعض''[۲۰]

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ ان کے پاس ایک دن تشریف لائے اور آپؐ بہت خوش تھے اور فرمانے لگے عائشہؓ! کیا تم نے دیکھا نہیں کہ مجزز مدلجی آیا اور اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا، دونوں کے جسموں پر ایک چادر تھی جس سے ان کے سر ڈھکے ہوئے اور پاؤں کھلے تھے تو اس نے کہا کہ یہ پاؤں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں)

مجزز مدلجی آنحضرت ﷺ کے دور کا مشہور قیافہ شناس تھا اور اس نے حضرت زیدؓ اور ان کے بیٹے اسامہؓ کے صرف پاؤں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ باپ بیٹا ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ "فسر بذلک النبیّ واعجبه"[۲۱] (نبی اکرم ﷺ کو قیافہ شناس کی یہ پہچان بڑی پسند آئے اور آپ اس بات سے خوش ہوئے)۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ "**انهم کانوا فی الجاهلیة یقدحون فی نسب اسامة لانه کان اسود شدید اسواد وکان ابوه زید ابیض من القطن فلما قال القائف ما قال مع اختلاف اللون سرالنبی بذلک لکونه کافالهم عن الطعن فیه لاعتقادهم ذلک**"[۲۲] (دور جاہلیت میں کفار و مشرک حضرت اسامہؓ کے نسب میں شک کرتے تھے کیونکہ ان کا رنگ نہایت سیاہ تھا جبکہ ان کے والد حضرت زیدؓ روئی سے زیادہ سفید تھے (تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسامہ زید کا بیٹا نہیں ہوسکتا!) لیکن جب قیافہ شناس (مجزز مدلجی) نے (باپ بیٹا دونوں کے محض پاؤں کی مشابہت سے) تصدیق کر دی کہ یہ نسب صحیح ہے حالانکہ باپ بیٹے کے رنگوں میں اختلاف تھا تو اس کی اس بات سے نبی کریمؐ بہت خوش ہوئے کیونکہ مشرکین کو اس طعن و الزام سے اس قیافہ شناس کی پیش گوئی (خبر) روکنے کے لئے کافی تھی۔ اس لئے کہ وہ لوگ قیافہ شناس کی باتوں پر یقین رکھتے تھے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین تو قیافہ شناسوں کو حجت سمجھتے تھے لیکن اللہ کے رسولؐ نے اس قیافہ شناس کو کیسے حجت سمجھا؟

حافظ ابن حجرؒ، امام بخاریؒ کے حوالے سے اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "**وجه ادخال هذا الحدیث فی کتاب الفرائض الرد علی من زعم ان القائف لا یعتبر قوله فان من اعتبر قوله فعمل به لزم منه حصول التوارث بین الملحق والملحق به**"[۲۳]. یعنی امام بخاریؒ نے اس حدیث کو "کتاب الفرائض" میں اس لئے بیان فرمایا ہے تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو قیافہ دان کو معتبر و حجت نہیں سمجھتے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ جو قیافہ شناس کے قول کو حجت و سند تسلیم کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں تو اس (فیصلے) سے بچے اور باپ کے مابین وراثت کے احکام جاری ہوں گے۔

مذکورہ روایت کے حوالے سے امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ "**فی هذا الحدیث دلیل علی ثبوت العمل بالقافة و صحة الحکم بقولهم فی الحاق الولد وذلک لان رسول الله لا یظهر السرور**

الابما هو حق عنده"[۲۴]۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قیافہ شناسوں کی بات پر عمل کیا جائے گا اور ان کے کہنے پر بچے کا نسب ملانے کا فیصلہ صحیح ہوگا کیونکہ اللہ کے رسولؐ صرف اسی بات پر خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں جو آپؐ کے نزدیک حق ہو۔

صاحب مفتاح السعادۃ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ اگر قیافہ شناس کی بات حجت نہ ہوتی تو آنحضرتﷺ اس پر مسرور نہ ہوتے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ اللہ کے رسولؐ قیافہ شناس کی بات پر اس لئے خوش ہوئے تھے کہ اس سے مشرکین کا الزام رفع ہو جائے گا کیونکہ مشرکین کے ہاں قیافہ شناس کی بات حجت تھی اور آپؐ اس لئے خوش نہیں ہوئے کہ فی الواقع قیافہ شناس کی بات شرعی حجت ہے[۲۵]۔

دوسری دلیل:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہؓ نے آنحضرتﷺ کی عدالت میں اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ مبتلا دیکھے پھر اسی حالت میں گواہ تلاش کرنے جائے گا۔ لیکن آنحضرتﷺ یہی فرماتے تھے کہ گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی۔ اس پر ہلال بن امیہؓ نے کہا کہ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں اپنی بات میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کے بارے میں کوئی ایسی وحی نازل فرمائیں گے جو مجھے حد سے بچا لے گی۔ پھر حضرت جبریلؑ آنحضرتﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے۔ یعنی "**والذین یرمون ازواجھم** سے لے کر **ان کان من الصادقین**" تک آیات نازل ہوئیں (جن میں لعان کا حکم ہے)۔ نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آنحضرتﷺ نے آدمی بھیج کر ہلال اور اس کی بیوی کو بلوایا، ہلال نے لعان کی قسمیں کھائیں۔ پھر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں کہ تم میں ایک ضرور جھوٹا ہے تو کیا وہ توبہ کے لئے تیار ہے؟ پھر عورت کھڑی ہوئی اور اس نے بھی اپنے حق میں قسمیں کھائیں جب وہ پانچویں قسم (کہ اگر میں جھوٹی ہوئی تو مجھ پر اللہ کا عذاب نازل ہو) کھانے لگی تو لوگوں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ (اگر تم جھوٹی ہو تو) اس سے تم پر اللہ کا عذاب ضرور نازل ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس پر وہ ہچکچائی تو ہم نے سمجھا کہ وہ اپنا بیان واپس لے لے گی۔ لیکن اس نے پانچویں قسم بھی کھا لی اور اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کو زندگی بھر کے لئے رسوا نہیں کر سکتی۔ پھر آنحضرتﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ دیکھنا

اگر اس کا بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین اور بھری ہوئی پنڈلیوں والا ہوا تو پھر وہ شریک بن سحماء کا ہوگا۔ چنانچہ وہ بچہ اسی شکل و صورت کا پیدا ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میں ضرور اس عورت کو رجم کی سزا دیتا[۲۶]۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "**لولا الایمان لکان لی ولھا شأن**"[۲۷] (کہ اگر لعان کی قسمیں نہ ہوتیں تو میں اسے رجم کرتا)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ "**لولا الایمان لکان لی ولھا شان. یدل علی انه لم یمنعه العمل بالشبه الا الایمان فاذا انتفی المانع یجب العمل به لوجود مقتضیه**"[۲۸] (**لولا الایمان**---، سے معلوم ہوا کہ آپؐ کو شبہ پر عمل کرنے سے صرف "لعان" نے روکا ہے۔ (اور اس سے معلوم ہوا کہ لعان ایک مانع ہے) لہذا جب مانع نہیں ہوگا تو شبہ کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ضروری ہوگا کیونکہ وہ شبہ (اس فیصلے کا) متقاضی ہے۔

امام شوکانیؒ اس روایت کے بعد رقمطراز ہیں کہ "**ومن الادلة القویه للعمل بالقافة حدیث الملاعنة المتقدم حیث اخبر بانھا ان جاءت به علی کذا فھو لفلان وان جاءت به علی کذا فھو لفلان ذلک یدل علی اعتبار المشابھة--- وفی ذلک اشعار بانه یعمل بقول القائف مع عدمھا**"[۲۹]

قیافہ شناس کی بات کی حجت ہونے کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل یہ لعان والی حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس عورت نے فلاں فلاں اوصاف کا حامل بچہ جنم دیا تو یہ فلاں شخص کا ہے اور اگر فلاں فلاں اوصاف کا حامل جنم دیا تو وہ فلاں کا ہے۔ آپؐ کی یہ بات مشابہت کے معتبر و حجت ہونے کی دلیل ہے۔ (چونکہ یہاں لعان مانع تھا اس لئے آپؐ نے اس قیافہ پر عمل نہ کیا)۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قیافہ دان کی بات اس وقت حجت تسلیم ہوگی جب کوئی مانع نہ ہو۔

فقہائے احناف اس روایت سے اپنے موقف کی دلیل پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ لعان میں قائف کی طرف رجوع کا حکم نہیں دیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قائف کی بات حجت ہوتی تو بوقت شبہ اس کی طرف رجوع کرنا معتبر قرار پاتا[۳۰]۔ جبکہ دیگر فقہاء نے لعان کو مانع قرار دیا ہے اور مذکورہ روایت کے ان الفاظ ہی سے استدلال کیا ہے کہ "**لولا الایمان لکان لی ولھا شان**"[۳۱]

یعنی نبی کریمؐ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر "لعان" نہ ہوتا تو آپ ضرور "شبہ" (بچے کی زانی سے مشابہت) کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے۔ اس لئے قیافہ دان کی بات حجت ہوگی جبکہ کوئی قوی

مانع (لعان یا فراش وغیرہ) نہ ہو[۳۲]۔

تیسری دلیل

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ''عتبہ بن ابی وقاص (کافر) نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی تھی کہ ''زمعہ'' کی باندی کا بچہ میرا ہے۔ اس لئے تم اسے اپنے قبضے میں کر لینا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس سال مکہ فتح ہوا سعد بن ابی وقاص نے اس لڑکے کو اٹھا لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی (عتبہ) کا بچہ ہے اور انہوں نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی جبکہ عبد بن زمعہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ میرے باپ کی لونڈی کا لڑکا ہے اور میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ بالآخر دونوں حضرات یہ مقدمہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے اور مجھے انہوں نے اس کے بارے میں وصیت کی تھی پھر عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ (بچہ) میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا لڑکا ہے۔ اور یہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے (دونوں طرف سے بیان سننے کے بعد) فرمایا کہ اے عبد بن زمعہ! یہ لڑکا تمہارے ہی پاس رہے گا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ بچہ اسی کا ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لئے پتھروں کی سزا ہے۔ پھر آپؐ نے (عبد کی بہن) حضرت سودہؓ (جو ایک لحاظ سے اس لڑکے کی بہن بنتی تھیں اور نبیؐ کی بیوی تھیں) سے فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کرنا کیونکہ آپؐ نے اس لڑکے میں عتبہ کی مشابہت محسوس کر لی تھی۔ (پھر حضرت سودہؓ کے پردہ کرنے) کی وجہ سے اس لڑکے نے انہیں مرتے دم تک نہیں دیکھا[۳۳]۔

شارحین نے اس روایت میں مذکورہ واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ ''عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد بن ابی وقاص مشہور صحابی کا بھائی تھا۔ عتبہ اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا اور کفر ہی پر اس کی موت ہوئی۔ زمعہ نامی ایک شخص کی لونڈی سے اسی عتبہ نے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ عتبہ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا حمل مجھ سے ہے۔ لہذا اس کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہو اس کو تم اپنی تحویل میں لے لینا۔ چنانچہ زمعہ کی لونڈی کے بطن سے (لڑکا) پیدا ہوا اور وہ ان ہی کے (پاس) پرورش پاتا رہا۔ جب مکہ فتح ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے چاہا کہ اپنے بھائی کی وصیت کے تحت اس بچے کو اپنی پرورش میں لے لے۔ مگر زمعہ کا بیٹا عبد بن زمعہ کہنے لگا کہ یہ میرے والد کی لونڈی کا بچہ ہے۔ اس لئے اس کا وارث میں ہوں۔ جب یہ مقدمہ عدالت نبویؐ میں پیش ہوا تو آپ نے یہ قانون پیش فرمایا کہ

"الولد للفراش وللعاھر الحجر" بچہ اسی کا گردانا جائے گا جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے، اگرچہ وہ کسی دوسرے فرد کے زنا کا نتیجہ ہو۔ اس فرد (زانی) کے حصہ میں شرعی حد سنگساری ہے (اگر وہ شادی شدہ ہو وگرنہ سو کوڑے اور ایک سال جلاوطن)۔ اس قانون کے تحت آنحضرت ﷺ نے وہ بچہ عبد بن زمعہ ہی کو دے دیا مگر بچہ کی مشابہت عتبہ بن ابی وقاص ہی سے تھی۔ اس لئے اس شبہ کی بناء پر آنحضرتؐ نے حضرت ام المومنین سودہؓ کو حکم فرمایا کہ وہ زمعہ کی بیٹی ہونے کے ناطے بظاہر اس لڑکے کی بہن تھی مگر لڑکا مشتبہ ہوگیا۔ لہذا مناسب ہوا کہ وہ اس سے غیروں کی طرح پردہ کریں۔ حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک سودہؓ کو پردہ کا حکم اسی اشتباہ کی وجہ سے احتیاطاً دیا گیا تھا کہ باندی کے ناجائز تعلقات عتبہ سے تھے اور بچے میں اسی کی مشابہت تھی(۳۴)۔

جن فقہاء نے "شبہ" کی بنیاد پر قیافہ شناس کے قول کو حجت تسلیم نہیں کیا وہ اپنے موقف کی تائید میں درج بالا روایت پیش کرتے ہیں کہ اگر "شبہ" کی بنیاد پر فیصلہ معتبر ہوتا تو آنحضرت ﷺ لازمی طور پر اس بچہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص کے حوالہ کرتے کیونکہ ان کے بھائی عتبہ کی مشابہت بالکل نمایاں تھی لیکن اس کے برعکس آنحضرت ﷺ نے یہ بچہ عبد بن زمعہ کے حوالے کر دیا اور شبہ کو اہمیت نہیں دی۔

اس کے برعکس شبہہ کو معتبر و حجت تسلیم کرنے والے فقہاء بھی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں اور مذکورہ اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ **"انما لم یعمل بہ فی ابن امعة لان الفراش اقوٰی و ترک العمل بِالبَیّنة المعارضة ماھواقوی منھالا یوجب الاعراض عنھا اذا خلت عن المعارض"**(۳۵)

آپؐ نے زمعہ کے بیٹے کے حوالہ سے قیافہ شناسی پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ (یہاں) فراش زیادہ قوی قرینہ ہے اور کسی قوی تر دلیل معارض کی وجہ سے دوسری دلیل کو چھوڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب وہ معارض دلیل نہ ہو تب بھی اس کم تر (متروکہ) دلیل پر عمل نہ کیا جائے۔ (بلکہ اس وقت کم تر دلیل ہی حجت ہوگی)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچہ جس شخص کے گھر اور بستر پر پیدا ہو اور وہ شخص اس عورت کا جائز شوہر یا مالک (سیّد) ہو تو وہ بچہ اسی کا ہوگا۔ گو اس عورت کے کسی غیر سے ناجائز تعلقات کی بناء پر بچے کی شکل و صورت حقیقی شوہر یا آقا کی بجائے اس زانی ہی سے کیوں نہ ملتی ہو اور قیافہ شناس بھی اس زانی کو ایسے بچے کا باپ قرار دے رہا ہو تب بھی اس بچہ کو صاحب فراش کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ البتہ زانی کو شرعی سزا دی جائے گی۔

مذکورہ صورت میں قیافہ شناس کی بات اس لئے حجت نہیں کہ شریعت نے فراش کے قرینہ کو ''قیافہ شناسی'' کے قرینہ سے زیادہ قوی بلکہ قانونی طور پر ''سند'' قرار دیا ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں جبکہ ایک طرف صاحب فراش ہو اور دوسری طرف قیافہ شناس، تو قیافہ شناس پر صاحب فراش بہرصورت قابل ترجیح ہوگا۔ اسی لئے فقہائے ثلاثہ نے ایسی صورت میں ''فراش'' کو ''لعان'' کی طرح مانع قرار دیا ہے یعنی اگر یہ موانع نہ ہوں تو پھر قیافہ شناس کی بات کو حجت سمجھا جائے گا اور اگر ان میں سے کوئی مانع ہو تو پھر قیافہ شناس کی بات شرعی نکتہ نگاہ سے حجت تسلیم نہیں ہوگی۔

حضرت عمرؓ اور قیافہ شناسی

مختلف واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ خود بھی قیافہ شناس تھے اور بہت سے پیچیدہ مسائل میں دیگر ماہر قیافہ شناسوں کی خدمات بھی حاصل کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ''**وقد اخرج یزید بن هارون فی الفرائض بسند صحیح الی سعید بن المسیب ان عمرؓ کان قائفا**''[۳۶] (یزید بن ہارون نے فرائض (کتاب) میں سعید بن میبب سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ قیافہ دان تھے)۔

حافظ ابن قیمؒ عبدالرزاق کے طریق سے بیان کرتے ہیں کہ ''**ان عمر ابن الخطابؓ دعا القافة فی رجلین اشترکا فی الوقوع علی امرأة فی طهر واحد وادعیا ولدها فالحقته القافة باحدهما**''[۳۷] (حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک ایسی عورت کے معاملہ میں قیافہ دان کو طلب کیا کہ جس عورت سے ایک ہی طہر میں دو آدمیوں نے وطی کی تھی اور وہ دونوں اس کے بچے کے مدعی تھے۔ قیافہ شناس نے ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ بچے کو ملحق کر دیا۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ''واسنادہ صحیح متصل'' اس واقعہ کی سند صحیح و متصل ہے۔

حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات میں قیافہ شناس کی رائے کے مطابق فیصلے کئے ہیں[۳۸]۔ حتی کہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''**ولان عمرؓ قضی به بحضرة الصحابة فلم ینکره منکر فکان اجماعا**'' (چونکہ حضرت عمرؓ نے قیافہ شناس کے قول پر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فیصلہ کیا اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا اس لئے (قیافہ شناس کے حجت ہونے پر) اجماع ہوگیا[۳۹]۔

حافظ ابن قیمؒ کا فیصلہ

موصوف قیافہ شناسی کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ "وقد دلت علیها سنة رسول اللهؐ و عمل خلفائه الراشدین والصحابة من بعدهم منهم عمر بن الخطابؓ وعلی بن ابی طالب وابو موسیٰ الاشعریؓ وابن عباسؓ وانس بن مالکؓ ولا مخالف لهم فی الصحابة وقال بها التابعین سعید بن المسیب وعطاء بن ابی رباح والزهری وایاس بن معاویه و قتادة و کعب بن سوار ومن تابعی التابعین اللیث بن سعد ومالک بن انس واصحابه وممن بعدهم الشافعی واصحابه واسحاق وابوثور واهل الظاهر کلهم و بالجملة فهذا قول جمهور الامة[۴۰] (قیافہ شناسی کے حجت ہونے پر اللہ کے رسولؐ کی سنت بھی دلالت کرتی ہے اور خلفائے راشدین اور ان کے بعد دیگر صحابہ کا عمل بھی اس کا مؤید ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوموسیٰؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ اسے حجت گردانتے تھے اور کسی صحابی نے بھی ان کی اس بات پر مخالفت نہیں کی۔ پھر تابعین میں سے سعید بن مسیب، عطا، زہری، ایاس بن معاویہ، قتادہ اور کعب بن سوار بھی اسی کے قائل تھے۔ پھر تبع تابعین میں سے لیث بن سعد، امام مالکؒ اور ان کے اصحاب اس کے قائل رہے اور ان کے بعد امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور اسحاق، ابوثور اور تمام اہل ظاہر اس کے قائل تھے۔ بالاختصار جمہور (علمائے) امت کا یہی قول ہے۔

(۲) فوجداری جرائم میں قیافۃ الاثر کی شرعی حیثیت

قیافہ شناسی کی دوسری قسم قیافۃ الاثر ہے اور اس کی تعریف میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ ایک ایسا علم ہے جس میں جائے حادثہ پر پاؤں وغیرہ کے نشانات اور دیگر آثار و قرائن کی مدد سے مطلوب و مقصود تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اس لئے اسے قیافۃ الاثر کہا جاتا ہے۔

کسی معاملہ کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے آثار و قرائن کی اہمیت مسلمہ ہے لیکن یاد رہے کہ محض آثار و قرائن کی بنیاد پر ہر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قرائن، آثار، علامات، امارات و نشانات وغیرہ مجرم یا امر واقعہ کی معرفت و شناخت میں معاون ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں حادثات و واقعات میں بنیادی طور پر 'معاون' ہی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، البتہ اگر کوئی قرینہ قطعی و یقینی ہو یا آثار و قرائن کے بعد مجرم خود اعتراف جرم کر لے تو پھر ان آثار و قرائن کی بنیاد پر اسی طرح شرعی فیصلے کئے جائیں گے جس طرح ''عینی گواہوں'' کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں۔

شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ماہر اور ذہین و فطین کھوجیوں، قیافہ دانوں، عمر رسیدہ تجربہ کاروں حتیٰ کہ کھوجی کتوں اور دیگر جدید آلات سے مختلف حوادث میں استفادہ کیا جائے۔ درج ذیل دلائل و امثلہ سے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

پہلی دلیل

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ ان کے بھائی انہیں کنوئیں میں پھینک آئے اور ان کی خون آلود قمیص لا کر اپنے باپ سے کہتے ہیں کہ "**قالوا یا أبانا انا ذھبنا نستبق و ترکنا یوسف عند متاعنا فاکلہ الذئب وما انت بمؤمن لنا ولوکنا صادقین وجاؤا علی قمیصہ بدم کذب قال بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون**"[۴۱] (اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا اسے بھیڑیا کھا گیا، آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے گو ہم بالکل سچے ہی ہیں۔ اور وہ یوسفؑ کے قمیص کو جھوٹ موٹ کے خون سے رنگ لائے تھے۔ باپ نے کہا یوں نہیں ہوا بلکہ تم نے اپنے جی سے بات بنا لی ہے۔ لہذا صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے)۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے اس خون آلود قمیص کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی چیر پھاڑ کے نشان نہیں بلکہ سارا کُرتا صحیح سالم ہے۔ حالانکہ یہ ایک بدیہی امر تھا کہ اگر بھیڑیئے نے یوسفؑ کو کھایا ہوتا تو قمیص بھی پھٹی ہوتی جبکہ قمیص کا سالم ہونا اس بات کا ثبوت بن گیا کہ یوسفؑ کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا بلکہ اس کے بھائی جھوٹ بولتے ہیں۔ گویا اسی علامت کی بنیاد پر حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو[۴۲]۔

اس سے معلوم ہوا کہ آثار و قرائن کی مدد سے حقائق کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ امام قرطبیؒ رقمطراز ہیں کہ ''فقہاء نے 'قسامہ' وغیرہ جیسے فقہی مسائل میں اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علامات و امارات کو معتبر قرار دیا ہے اور اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے قمیص کے صحیح سالم ہونے کی بنیاد پر اپنے دوسرے بیٹوں کے جھوٹا ہونے پر استدلال کیا''[۴۳]۔

اسی طرح جب یوسفؑ پر عزیزِ مصر کی بیوی نے بدکاری کی تہمت لگائی تو آثار کی بنیاد پر یوسفؑ کا صدق ثابت کیا گیا[۴۴]۔

دوسری دلیل

صحیح بخاری میں انسؓ سے مروی ہے کہ عکل اور عرینہ (قبائل) کے کچھ لوگ نبیؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے اور اسلام میں داخل ہوگئے، پھر انہوں نے کہا اے اللہ کے نبیؐ! ہم لوگ مویشی رکھتے تھے، کھیت وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھے (اس لئے ہم صرف دودھ پر گزارا کیا کرتے تھے) اور انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو آنحضرتﷺ نے کچھ اُونٹ اور ایک چرواہا ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو (تو تم صحت یاب ہو جاؤ گے)۔ وہ لوگ (چراگاہ کی طرف) نکلے حتیٰ کہ جب مقام حرہ کے قریب پہنچے تو اسلام سے پھر گئے اور نبی اکرمﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اُونٹوں کو لے کر بھاگ نکلے۔ نبی اکرمﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے ان کے پیچھے کچھ لوگوں کو دوڑایا (اور بالآخر یہ پکڑے گئے)۔ آنحضرتﷺ کے حکم سے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں (کیونکہ انہوں نے بھی چرواہے کو اسی طرح قتل کیا تھا) اور انہیں حرہ کے کنارے پھینک دیا گیا حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں مر گئے[۴۵]۔

مذکورہ روایت میں یہ بات قابل غور ہے کہ آپؐ نے ان مجرموں کو پکڑنے کے لئے کچھ لوگوں کو روانہ کیا جبکہ دیگر روایات میں ہے کہ **"وعنده شباب من الانصار قریب من عشرین فارسلهم الیهم وبعث معهم قائفا یقتص اثرهم"**[۴۶] (جب آپؐ کے پاس چرواہے کے قتل کی خبر پہنچی تو اس وقت) آپ کے پاس تقریباً بیس (۲۰) انصاری نوجوان تھے۔ آپ نے انہیں ان (مجرموں) کے تعاقب میں روانہ کیا اور ان کے ساتھ ایک قیافہ شناس بھی روانہ کیا جو ان (مجرموں) کے قدموں کے نشان تلاش کرتا تھا۔ سنن ابو داؤد میں ہے کہ **"فبعث رسول الله فی طلبهم قافة فاتی بهم"**[۴۷] (اللہ کے رسولؐ نے ان مجرموں کے تعاقب میں چند قیافہ شناس بھی روانہ کیے اور بالآخر ان مجرموں کو گرفتار کر لیا گیا)۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں کی سراغ رسانی کے لئے قیافہ دانوں اور کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنا مشروع ہے۔

حافظ ابن قیمؒ اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں کہ **"فدل علی اعتبار القافة والاعتماد علیها فی الجملة فاستدل باثر الاقدام علی المطلوبین"** حاصل کلام یہ ہے کہ اس واقعہ سے قیافہ دانوں کے معتبر و حجت ہونے اور ان پر اعتماد کرنے کی دلیل حاصل ہوتی ہے جیسا کہ قدموں کے نشانات سے مطلوبہ افراد پر استدلال کیا گیا ہے[۴۸]۔

دیوانی مقدمات میں قیافۃ الاثر کی شرعی حیثیت

جس طرح فوجداری جرائم میں قیافہ دانوں اور کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنا جائز و مشروع ہے اسی طرح دیوانی مقدمات میں بھی ان کی مدد سے فیصلہ کرنا مشروع ہے، اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں کہ جس طرح کسی گمشدہ چیز پر دو آدمی مدعی ہوں تو اس چیز کے صحیح اوصاف بتانے والے کے حق میں ہم فیصلہ دیں گے اور یہ قیافہ سے ملتی جلتی صورت ہے۔ اسی طرح اگر دو آدمی کسی پودے یا کھجور کے بارے میں جھگڑا کریں جبکہ وہ ان دونوں کے ہاتھ (قبضہ) میں ہو تو اس جھگڑے کا فیصلہ اہل خبرہ (یعنی کھوجی یا قیافہ شناس یا صاحب فہم و فراست) لوگ کریں گے۔ اسی طرح جیسے نسب کے جھگڑے میں قیافہ شناسوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ویسے ہی دیگر مقدمات و معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہ اسی وقت ہوگا جب مدعی برابر درجہ کے ہوں[۴۹]۔

اس سلسلہ میں جن شرعی دلائل کو پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں، میں صف میں کھڑا تھا کہ میرے دائیں اور بائیں قبیلہ انصار کے دو نوعمر لڑکے کھڑے تھے۔ میں نے آرزو کی کہ کاش! میں ان سے زبردست (اور زیادہ) عمر والوں کے درمیان ہوتا۔ ایک لڑکے نے میری طرف اشارہ کیا اور پوچھا: چچا جان! آپ لوگ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! لیکن بیٹا! تم لوگوں کو اس سے کیا سروکار؟ لڑکے نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ کو گالیاں دیتا ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ مجھے مل جائے تو اس وقت تک میں اس سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ ہم میں سے کوئی ایک جس کی قسمت میں پہلے مرنا ہوگا، مر نہ جائے۔ (عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ) مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر دوسرے لڑکے نے مجھے اشارہ کیا اور وہی باتیں اس نے بھی کہیں۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ مجھے ابوجہل دکھائی دیا جو لوگوں (کفار کے لشکر) میں گھومتا پھر رہا تھا، میں نے ان لڑکوں سے کہا جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے تھے وہ سامنے نظر آ رہا ہے۔ دونوں نے اپنی تلواریں سونتیں اور اس پر جھپٹ پڑے اور حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد رسول اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو خبر دی گئی۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے؟ دونوں لڑکوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں نے

اسے مارا ہے۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ پھر آپؐ نے دونوں کو تلواروں کو دیکھا اور فرمایا کہ تم دونوں ہی نے اسے مارا ہے۔ پھر آپؐ نے اس مقتول کا سارا سامان معاذ بن عمرو بن جموع کو دے دیا۔ یہ دونوں نوجوان معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموع تھے(۵۰)۔

یہ ایک شرعی اصول ہے کہ مقتول کافر کا مال غنیمت اسے دیا جاتا ہے جس نے اسے قتل کیا ہو۔ اس لحاظ سے ابوجہل کا مال غنیمت ان دونوں نوجوانوں میں سے کسی ایک یا پھر دونوں کا حق قرار پاتا تھا۔ اب اس فیصلے کے لئے نبی کریمؐ نے آثار و علامات کو بنیاد بناتے ہوئے ان دونوں کی تلواروں کا جائزہ لیا اور آپؐ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان دونوں ہی نے ابوجہل کو قتل کیا ہے اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ ''**کلاکما قتله**''یعنی تم دونوں نے اس بدبخت کو قتل کیا ہے(۵۱)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت معوذ و معاذؓ دونوں کی تلواروں پر لگے خون کے آثار سے آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں نے اسے برابر قتل کیا ہے تو پھر مال غنیمت صرف ایک کو کیوں دیا بلکہ دونوں میں برابر تقسیم کرنا چاہئے تھا؟

شارحین نے اس سوال کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ معاذ بن عمروؓ نے چونکہ ابوجہل کو قتل کرنے میں زیادہ کام دکھایا تھا اس لئے اسے ہی آپؐ نے مالِ غنیمت عنایت فرمایا جبکہ اس سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ مال غنیمت میں واقعی معوذؓ و معاذؓ کا حصہ بنتا تھا مگر آپؐ نے صرف حضرت معاذؓ ہی کو مالِ غنیمت اس لئے دیا تھا کہ ''حضرت معوذؓ اس معرکے میں شہید ہو گئے تھے(۵۲)۔

دوسری دلیل

ابراہیم بن فرزوق بصری بیان کرتے ہیں کہ ''دو آدمی حضرت ایاس بن معاویہ کے پاس آئے اور ان دونوں کا دو چادروں کے بارے میں جھگڑا تھا جن میں سے ایک چادر سرخ اور دوسری سبز تھی۔ ایک نے کہا کہ میں غسل کے لئے حوض میں داخل ہوا تو میں نے اپنی چادر (ایک طرف) رکھ دی۔ پھر یہ شخص آیا اور اس نے اپنی چادر میری چادر کے نیچے رکھ دی اور غسل کرنے لگا۔ پھر یہ مجھ سے پہلے فارغ ہو کر نکلا اور میری چادر اٹھا کر چلتا بنا جبکہ میں نے حوض سے نکل کر اس کا تعاقب کیا تو یہ کہنے لگا کہ یہ چادر میری ہے۔ ایاس نے اس سے پوچھا کہ تیرے پاس کوئی دلیل ہے؟ اس نے کہا: نہیں! تو ایاس نے کہا کہ ایک کنگھی لاؤ۔ کنگھی لائی گئی اور یکے بعد دیگرے دونوں کے سروں پر کنگھی کی گئی تو ایک کے سر سے سرخ اور دوسرے کے سر سے سبز اون نکلی تو حضرت ایاس نے اس

شخص کو سرخ چادر دی جس کے سر سے سرخ اُون نکلی تھی جبکہ دوسرے کو سبز چادر دی جس کے سر سے سبز اون نکلی تھی(۵۳)۔

مصادر و مراجع

۱۔ الجرجانی، علی بن محمد بن علی الفد الحسن الجرجانی الحنفی: التعریفات، ص ۶۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۔ الزرقاء، مصطفیٰ بن احمد الزرقاء: المدخل الفقہی العام، ج۲، ص ۹۱۸، دارالفکر

۳۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر الزرعی الدمشقی: الطرق الحکمیۃ ، ص۱۱۴، ۱۱۵، دارالفکر، بیروت

۴۔ القرائن لصالح بن غانم ص ۱۷، دار بلنسیۃ مکہ، ریاض

۵۔ دائرۃ المعارف اردو، ج ۱۶ ص ۵۱۸، پنجاب یونیورسٹی، نیز ملاحظہ ہو لسان العرب ج۹ ص ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، النہایۃ وغیرہ۔

۶۔ فیروز الدین الحجاج مولوی، فیروز اللغات، اردو، ص ۵۱۹

۷۔ بطاش کبریٰ زادہ، احمد بن مصطفیٰ، مفتاح السعادۃ، ج۱ ص ۳۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، کشف الظنون، ج۲، ص ۱۱۸۱، منشورات مکبہ المثنی بغداد

۸۔ القنوجی، صدیق بن حسن علامہ، ابجد العلوم ص ۴۳۶، ج ۲، مکتبہ قدوسیہ، لاہور

۹۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ ابن عبداللہ القسطنطنی الرومی الحنفی: کشف الظنون، ج۲ ، ص ۱۳۶۷

۱۰۔ مفتاح السعادۃ ج۱ ص ۳۲۹

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ابجد العلوم ج۲ ص ۳۸۵

۱۳۔ لسان العرب ج ۹ ص ۲۶۱

۱۴۔ ابو داؤد امام، ابو داؤد سلیمان بن اشعث: الازدی السجستانی: ابو داؤد، کتاب الطب: باب فی الخط وزجر الطیر رقم (۳۹۰۵)

۱۵۔ النہایۃ: ج۴، ص ۱۳۱، مکتبۃ الاسلامیہ

۱۶۔ التعریفات للجرجانی ص ۱۷۱

۱۷۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی حجر: فتح الباری ابن حجر ج ۱۲ ص ۵۷، دارالنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

۱۸۔ ابن رشد، محمد بن احمد بن رشد القرطبی: بدایۃ المجتہد ج۲ ص ۲۴۰ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمہ، نیز دیکھیے المبسوط للسرخسی ج ۱۷، ص ۷۰، بدائع الصنائع ج۶ ص ۲۴۶

۱۹۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الحنبلی: المغنی لابن قدامہ، ج۸، ص ۶۷۲ تا ۶۷۴ دار عالم الکتب مکہ، نیز دیکھیے الفروق للقرافی ج۴ ص ۹۹ دارالمعرفۃ بیروت، الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۴۱۹، الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ ج۴ ص ۵۸۷، فتح الباری، ج ۱۲ ص ۵۷، نیل الاوطار ج۴، ص ۳۸۲، سبل السلام ج۴، ص ۱۳۷۔

۲۰۔ بخاری، امام، محمد بن اسمٰعیل البخاری: کتاب الفرائض: باب القائف رقم (۶۷۷۱) نیز مسلم (۱۴۵۹)، ابو داؤد (۲۲۹۷)، ترمذی (۱۲۱۹)، ابن ماجہ (۲۳۴۹)، احمد ج۶، ص ۲۲۶۔

۲۱۔ بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبیؐ: باب مناقب زید بن حارثہ رقم (۳۷۳۱)

۲۲۔ فتح الباری ، ج۱۲، ص ۵۷

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ معالم السنن ج۳، ص ۲۴۵ مطبع انصار السنۃ المحمدیۃ

۲۵۔ مفتاح السعادۃ، ج ۱، ص ۳۳۰

۲۶۔ بخاری: کتاب التفسیر: باب قولہ و یدرأعنہا العذاب---رقم (۴۷۴۷)

۲۷۔ ابو داؤد: کتاب الطلاق: باب فی اللعان (۲۲۵۶) مسند احمد، ج۱ ص ۲۳۸

۲۸۔ المغنی لابن قدامہ ج۸، ص ۳۷۳ دار عالم الکتب مکہ المکرمۃ

۲۹۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد الشوکانی: نیل الاوطار ج۴ ص ۳۷۲ تا ۳۷۳، دارالحدیث قاہرہ

۳۰۔ السرخسی، شمس الدین: المبسوط للسرخسی، ج۱۷، ص ۷۰

۳۱۔ احمد بن حنبل، امام: مسند احمد، ج ۳، ص ۱۴۲

۳۲۔ المغنی لابن قدامہ ج ۸، ص ۳۷۱ تا ۳۷۴، نیل الاوطار ج ۴، ص ۳۸۲

۳۳۔ بخاری، کتاب البیوع: باب تفسیر المشبہات رقم (۲۰۵۳)

۳۴۔ بخاری: ترجمہ و تشریح از داؤد راز دہلوی، ج۳، ص ۲۷۴، مکتبہ قدوسیہ، لاہور

۳۵۔ المغنی لابن قدامہ ج۸، ص ۳۷۳

۳۶۔ فتح الباری، ج۱۲، ص ۵۷

۳۷۔ الطرق الحکمیۃ، ص ۲۵۴

۳۸۔ ایضاً، نیز دیکھیے، المؤطا: کتاب الاقضیۃ: باب قضاً بالحاق الولد بابیہ، رقم ۲۲ تا ۲۵

۳۹۔ المغغنی لابن قدامہ ج۸ ص ۳۷۲

۴۰۔ الطرق الحکمیہ ص ۲۵۲

۴۱۔ سورۃ یوسف ۱۷-۱۸

۴۲۔ قرطبی، محمد بن احمد الانصاری القرطبی: تفسیر قرطبی، ج ۹ ص ۱۵۰ مکتبہ الغزالی دمشق

۴۳۔ احکام القرآن لابن العربی ج۳ ص ۱۰۶۵، مطبعہ عیسی البابی الحلبی، مصر

۴۴۔ سورۃ یوسف آیات ۲۵ تا ۲۸

۴۵۔ بخاری: کتاب المغازی: باب قصۃ عکل و عرینۃ (۴۱۹۲) مسلم کتاب القسامۃ والمحاربین (۱۶۷۱) نسائی (۴۰۳۶)

۴۶۔ مسلم، امام، مسلم بن الحجاج القشیری: مسلم: ایضاً

۴۷۔ ابو داؤد، کتاب الحدود: باب ماجاء فی المحاربۃ (۴۳۶۶)

۴۸۔ الطرق الحکمیہ ص ۲۵۴

۴۹۔ ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبدالحلیم الشہیر بابن تیمیہ: الفتاویٰ الکبریٰ، ج۵، ص ۵۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۵۰۔ بخاری: کتاب فرض الخمس: باب من لم یخمس الاسلاب (۳۱۴۱) نیز مسلم (۱۷۵۱) ابو داؤد ۲۷۷) ترمذی (۱۵۶۲)۔

۵۱۔ فتح الباری ج۶ ص ۲۴۸

۵۲۔ ایضاً، ج ۷، ص ۲۹۶

۵۳۔ الطرق الحکمیۃ، ص ۳۸